© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جیسا کہ گذشتہ نظرات میں عرض کیا گیا۔ جب یہ یقینی ہے کہ جمہوریت میں عوام کے ساتھ ربط پیدا کرنے اور اُن کو اپنا ہم آہنگ و ہمنوا بنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تو اب مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ وہ اس سلسلہ میں کیا کر سکتے ہیں؟ اور انھیں کیا کرنا چاہیے؟ ظاہر ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک تبلیغ و اشاعت اور دوسرا سماجی تعلقات اور شہری زندگی میں اشتراک و تعاون۔ تبلیغ و اشاعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اردو پریس کو مزید موثر اور قوی بنانے کے ساتھ مسلمانوں کے اپنے انگریزی اور ہندی کے بھی اخبار اور میگزین ہوں جو موجودہ صحافت کی روایات اور اُس کے تقاضوں کے حامل ہوں۔ علاوہ ازیں ان دونوں زبانوں میں اور ساتھ ہی علاقائی زبانوں میں اسلامی اخلاق۔ تاریخِ اسلام اور ملک کی ملی جلی تہذیب پر چھوٹی بڑی کتابیں بکثرت شائع کی جائیں اور اُن کی اشاعت کا معقول بندوبست کیا جائے۔ رہے سماجی تعلقات تو انھیں اسی طرح ترقی دی جا سکتی ہے کہ مسلمان رفاہِ عام کے ادارے کھولیں اور اُن کے دروازے ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے لئے کھلے رکھیں۔ نیز تہوار کے موقعوں پر عصرانوں کا انتظام ہو اور اُن میں سب فرقوں کے لوگ مدعو کئے جائیں۔ جگہ جگہ ایسے کلب ہوں جہاں شام کے فارغ اوقات میں مقامی حضرات غم غلط کرنے کے لئے تھوڑی دیر کے واسطے جمع ہو جایا کریں۔ انسان فطرتاً مدنیت پسند ہے۔ مل جل کر رہنے سے باہمی افہام و تفہیم اور انس کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

گذشتہ ماہ کی ۲۸ کو ملک کے مشہور ماہرِ تعلیم خواجہ غلام السیدین نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کنووکیشن کے موقع پر جو فاضلانہ خطبہ پڑھا تھا اُس میں اُنھوں نے بھی معیشت باہمی کی اہمیت پر اپنے مخصوص انداز میں بڑا زور دیا ہے اور اس میں بعض باتیں بڑے کام کی کہی ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ـــــ "اسلام کے مطالعہ نے مجھ میں اس بات کا یقین پیدا کیا ہے کہ مسلمان ہونے کے معنی وسیع المعاشرت ہونا ہیں نہ کہ محدود اثر رکھنا مسلمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلبائے یونیورسٹی کو کوشش کرنی چاہیئے کہ محبت کے ذریعہ وہ دوسرے فرقوں اور مذاہب کے طلباء کے دلوں پر فتح پالیں اور اپنے آپ کو قومی زندگی کے خاص دھارے سے الگ نہ رکھیں۔ الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرنا ایک اندرونی کمزوری اور جھجک کی دلیل ہے۔ ہر وہ شخص یا جماعت جو اپنے اوپر اعتماد رکھتی ہے۔ وہ لین دین کا معاملہ کرتے اور اپنے ورثہ میں دوسروں کو شریک کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی ہے۔ اس کو اس بات کا کامل یقین اور بھروسہ ہوتا ہے کہ زندگی کی بھٹی میں تپنے کے بعد جو زرِ خالص ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے لیکن زنگ جل بھن کر ختم ہو جاتا ہے ـــــ اس سے بحث نہیں کہ یہ زنگ خود ہمارے جسم کا ایک حصہ تھا یا دوسروں کا۔ قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

فاما الزبد فیذهب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض

پھر جو جھاگ ہوتا ہے وہ یونہی بیکار چلا جاتا ہے مگر ہاں جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے

ممکن ہے اس موقع پر کوئی صاحب سوال کریں کہ اچھا فرض کیجئے۔ مسلمان اگر یہ سب کچھ کریں۔ مگر دوسری طرف سے پذیرائی اور تعاون نہ ہو تو پھر اس سے فائدہ کیا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ پورے قرآن کو پڑھ جائیے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالے نے ہر اچھے اور بُرے کا ذمہ دار انفرادی یا اجتماعی طور پر ہر فرد اور ہر جماعت کو بنایا ہے۔ یعنی ارشاد خداوندی یہ ہے کہ اگر کوئی راہ عمل تمہارے لئے مفید ہو سکتی ہے تو تمہیں فوراً اسے اختیار کر لینا چاہیئے اور اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیئے کہ کوئی دوسرا شخص اس میں تم سے اشتراک و تعاون کرے گا یا نہیں اور پھر خلوص اور بے لوث خدمتِ خلق ایسے گرانمایہ اوصاف ہیں جو اپنے اندر بے پناہ مقناطیسی کشش رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے دشمن ان کے اثر سے دوست اور سنگدل موم بن جاتے ہیں اور اسلام کی تاریخ کا تو ہر صفحہ ہی اس دعوے کا روشن ثبوت ہے۔

گذشتہ نظرات اور ان سطور کا مقصد یہ ہے کہ زمانہ کے مزاج اور ملکی و بین الاقوامی حالات کی رفتار کے مطابق مسلمانوں کو بھی اپنے طریقِ فکر اور سوچنے کے ڈھنگ میں تبدیلی پیدا کرکے اس کو جمہوری اور عوامی بنانا

© rasailojaraid.com